سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ

(نمبر ۷۵)

مظلوم کربلا

(مطبوعہ) سرفراز قومی پریس

لکھنؤ

قیمت ۲ر (دو آنہ)   محصول ڈاک ۱ر

فہرست رسائل امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	محصول ڈاک	نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	محصول ڈاک
۱	قاتلان حسینؑ کا مذہب	۴./ر	۱/ر	۲۱	اسوۂ حسینی	۷./ر	۱/ر
۲	تحریف قرآن کی حقیقت	ختم		۲۲	جنگ صفین	۳/ر	۱/ر
۳	مولود کعبہ	″		۲۳	تذکرہ حفاظ شیعہ حصہ اول	۶./ر	۱/ر
۴	وجود حجت	۴./ر	۱/ر	۲۴	″ دوم	۵./ر	۱/ر
۵	اصول دین اور قرآن	۴./ر	۱/ر	۲۵	مقصود کعبہ	۱/ر	۱/ر
۶	اتحاد الفریقین حصہ اول	۴./ر	۱/ر	۲۶	مذہب باب و بہار حصہ دوم	۹/ر	۱/ر
۷	حسینؑ اور اسلام اردو	۱./ر	۱/ر	۲۷	مذہب اور سائنس	ختم	
۸	″ ہندی	۱/ر	۱/ر	۲۸	معرکۂ کربلا	″	
۹	″ انگریزی	ختم		۲۹	کربلا کا مہایودھ	″	
۱۰	متعہ اور اسلام	۹/ر	۲/ر	۳۰	دی ٹریجڈی آف کربلا انگریزی	″	
۱۱	امامت ائمہ اثنا عشر اور قرآن	ر	۱/ر	۳۱	اسلام کی حکیمانہ زندگی	۹/ر	۱/ر
۱۲	تجارت اور اسلام	ختم		۳۲	دور استبداد	۴./ر	۱/ر
۱۳	اتحاد الفریقین حصہ دوم	″		۳۳	حقیقت بداء	۲/ر	۱/ر
۱۴	علیؑ اور کعبہ	″		۳۴	خطیب آل محمدؐ	۴./ر	۱/ر
۱۵	رجال بخاری حصہ اول	۶./ر	۱/ر	۳۵	تدوین حدیث	۱/ر	۱/ر
۱۶	مذہب باب و بہا حصہ اول	۵./ر	۱/ر	۳۶	مطلوب کعبہ	۱/ر	۱/ر
۱۷	نوروز اور غدیر	۱/ر	۱/ر	۳۷	محاربۂ کربلا	۲/ر	۱/ر
۱۸	مجاہدہ کربلا	۲/ر	۱/ر	۳۸	اسلام کا پیغام اردو	./ر	۱/ر
۱۹	کربلا کا ماتم بابیدان ہندی	ختم		۳۹	دی مسیج آف اسلام انگریزی	./ر	۱/ر
۲۰	دی مارٹیڈم آف حسینؑ انگریزی	۲/ر	۱/ر	۴۰	اثبات عزاداری	۴./ر	۱/ر

[illegible]

(مصنفہ)

(حضرت سید العلماء مولانا السید علی نقی النقوی دام ظلہ)

(مطبوعہ)

سرفراز قومی پریس لکھنؤ

امامیہ مشن کی پچھترویں ۷۵ خدمت

محرم میں مشن کا نیا سال شروع ہوتا ہے اور اس کا سرنامہ ہمیشہ ذکرِ حسینی قرار دیا جاتا ہے۔ کربلا کے عظیم الشان واقعہ کے متعلق اب تک مشن سے تقریباً بیس کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔

ان میں سے مجاہدۂ کربلا۔ معرکۂ کربلا۔ محاربۂ کربلا تین کتابیں ایک مسلسل تاریخی حیثیت رکھتی ہیں جن میں خلافت یزید کی ابتدا سے لے کر روزِ عاشورا کی عصر تک کے واقعات درج ہیں۔ پھر شہدائے کربلا کے تین حصّوں میں اصحابِ امام حسینؑ اور اعزا و اقارب جو کربلا میں شہید ہوئے اُن کے حالات لکھے گئے ہیں۔

اب اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی پیش کی جاتی ہے یعنی حضرت مظلوم کربلا حضرت سید الشہدا کے مختصر حالات زندگی جو ناواقف اشخاص کے لئے واقفیت کا باعث ہو سکیں۔

امید ہے کہ افرادِ قوم اس رسالہ کو کثیر تعداد میں خرید فرما کر غیر اقوام میں تقسیم فرمائیں تاکہ دنیا اسلام کے اس عظیم الشان پیشوا کے حالات سے باخبر ہو سکے۔ والسلام

خادمِ قوم
سید مصطفیٰ حسن رضوی
(آنریری سکریٹری امامیہ مشن نخاس لکھنؤ)

(محرم ۱۳۶۰ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ علیٰ سید الانبیاء والمرسلین واٰلہ الطاہرین۔

کون ہی جس نے محرم میں "حسین حسین" کی آواز نہ سنی ہوگی۔ اکثر آپنے اس آواز کے ساتھ کچھ لوگوں کو سر برہنہ نوحہ پڑھتے اور ماتم کرتے بھی دیکھا ہوگا اور شاید آپنے رونے کی صدائیں بھی سنی ہوں۔ انسانی ہمدردی کی بنا پر ضرور آپ کے دلمیں ہمدردی کا احساس پیدا ہوا ہوگا اور آپنے خیال کیا ہوگا کہ یہ حسین کون تھی جن پر آج تک اس طرح ماتم ہوتا ہی تھوڑا وقت مجھے عاریت دیکر اس مختصر کتاب کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ حسین کون تھے، اُن کا مقصد کیا تھا اور اس مقصد کے سلسلہ میں انھوں نے کیا راستہ اختیار کیا اور اُس کا نتیجہ کیا ہوا۔

(نسبی خصوصیات)

ملک عرب میں مکّہ کی سرزمین پر بنی ہاشم کا خاندان ایک ممتاز درجہ رکھتا تھا اس خاندان میں عبدالمطلب سب سے بڑے سردار تھے ان کے دو بیٹے تھے

عبداللہ اور ابوطالب۔ عبداللہ کے فرزند حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جو مذہب اسلام کے بانی اور مسلمانوں کے پیغمبر ہیں اور ابوطالب کے فرزند علی تھے جو حضرت محمد کے بڑے مددگار اور جاں نثار تھے جو متفقہ طور پر رسول کے بعد مسلمانوں کے ایک پیشوا اور رسول کے ایک جانشین تھے حضرت محمدؐ کی ایک بیٹی تھیں فاطمہ زہرا جن کی وہ بڑی عزت کرتے تھے اس بیٹی کا عقد حضرت محمدؐ نے علی کے ساتھ کیا تھا جنھیں وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں میں سب سے زیادہ چاہتے تھے علی اور فاطمہ سے دو بیٹے پیدا ہوئے بڑے کا نام حسن تھا جو علی کے بعد ان کے جانشین ہوئے اور چھوٹے کا نام حسین تھا جن کا نام آپ آج تک سُنا کرتے ہیں۔

(پیدائش)

حضرت محمد مصطفےٰؐ اپنے گھرانے سمیت مکہ کی سرزمین کو چھوڑ کر مدینہ آئے اور یہیں بس گئے۔ ہجرت اسی کا نام ہے اس ہجرت کے تیسرے برس حسین دنیا میں آئے۔ آپ کی پیدائش سے آپ کے نانا رسول اللہؐ باپ علی مرتضیٰ اور ماں فاطمہ زہرا سب کو بڑی خوشی ہوئی اور خاندان میں یہ ایک قابل شکر یہ اضافہ سمجھا گیا۔

(بچپنا)

حسینؑ نے سات برس تک اپنے نانا رسول اللہ کی پرورش کا لطف

حاصل کیا۔ رسول کو اس اپنے چھوٹے نواسے سے بڑی محبت تھی۔ ایسی خوشی اور دلجوئی کے دن پھر حسین کو اپنی تمام عمر نصیب نہیں ہوئے۔

(نانا کے بعد)

حسین سات برس کے تھے جب اُن کے نانا رسول اللہ کا انتقال ہو گیا یہ مصیبت تمام خاندان کیلئے ایک بڑی مصیبت تھی۔ حسین نے پہلے دن یہ محسوس کیا کہ وہ اُن کے بھائی اور اُن کے ماں باپ اب لوگوں کی نگاہ میں وہ عزت نہیں رکھتے جو اسکے پہلی تھی بہر حال انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ اُن کے باپ نے اُس بلند مقصد کی خاطر جس کے رسول اللہ حامل تھے اور مسلمانوں میں یک جہتی قائم رکھنے کے لئے تمام ناگوار حالات کو صبر و ضبط کے ساتھ برداشت کیا یہاں تک کہ مصیبتیں اور تکلیفیں اُٹھا کر سال کے اندر ہی حسین کی مہربان ماں فاطمہ زہرا بھی دنیا سے سدھاریں علی گوشہ نشین ہو گئے اور حسین نے دیکھا کہ بارگاہ کی چہل پہل اب سناٹے سے بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔

پچیس برس تک حضرت علی نے خاموشی میں گزارے جب مسلمانوں میں بغاوت پیدا ہوئی اور انھوں نے حاکم وقت کو قتل کر دیا تو وہ علی کے پاس آئے اور کہا کہ اب آپ ہماری رہنمائی کیجیے حضرت علی نے بہت انکار کیا مگر بہت مجبور کرنے پر حضرت علی نے اس ذمہ داری کو قبول کیا مگر ابھی کچھ ہی زمانہ گزرا تھا کہ آپ کے پرانے دشمنوں نے اور اُن کے عزیزوں اور رشتہ داروں نے آپ کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھا دیا

اور آپ کو لڑائیوں میں الجھا دیا یہاں تک کہ پانچ ہی برس کے بعد آپ کو عین حالت نماز میں مسجد کے اندر قتل کر دیا گیا۔

اُن کے بڑے بیٹے امام حسنؑ اُن کے جانشین ہوئے مگر حالات ایسے ناسازگار تھے کہ آپ کو ملت اسلامیہ کی حفاظت کیلیے اپنے باپ کے دشمن شام کے باغی حکمران سے صلح کرنا پڑی اور اس کے بعد بالکل گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے کے باوجود حاکم شام کی طرف سے اُن کو زہر دے دیا گیا۔

(اخلاق واوصاف)

حسینؑ نے اپنی حسن فطرت کے ساتھ ایسی بلند تربیت پائی تھی جو اُن کے اخلاق واوصاف کی بلندی کی ضامن تھی پھر اُن کو مختلف حالات اور متضاد واقعات کے ایسے دور سے گزرنا پڑا تھا جن میں اُن کو جذبات کے خلاف اپنے نفس کی طاقت سے کام لینا پڑا تھا۔ اس لیے اُن کے نفس میں پختہ کاری۔ تدبر اور استقلال پیدا ہو گیا تھا وہ فیاض تھے اور خلق خدا کو فائدہ پہونچانے کی فکر رکھتے تھے۔ وہ عالم تھے ایسے کہ جن سے لوگ مذہبی مسائل و اہم مشکلات میں رجوع کرتے تھے وہ رحمدل تھے ایسے کہ دشمنوں پر بھی وقت آنے پر رحم کھا جاتے تھے اور ایثار ایسا تھا کہ اپنی ضرورت کو فراموش کر کے دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ کیا تم ایسے انسان کے نفس کی بلندی کا کچھ اندازہ کر سکتے ہو جس نے اُس لشکر کو جو خود اُس سے جنگ کے لیے آیا تھا پیاسا دیکھکر

عرب کے بے آب راستوں میں اپنے ساتھ کا تمام پانی بلوا دیا اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کا بلکہ عورتوں اور چھوٹے بچوں تک کا کوئی خیال نہ کیا۔ وہ راست باز، راست کردار ایسے تھے کہ اُنھوں نے اپنی جماعت کی تعداد کو قائم کرنے کیلیے کبھی آیندہ خطرات کو پوشیدہ نہیں کیا بلکہ بار بار آیندہ کے خطرات کو یقینی بتا کر اُن کو حفاظتِ جان و مال کے لیے اپنے ساتھ سے چلے جانے کا مشورہ دیا اور یہ طریقہ اُس وقت تک جاری رکھا جب تک کہ کسی ایک شخص کے بھی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا امکان تھا۔

وہ امن پسند بھی ایسے تھے کہ اُنھوں نے آخر وقت تک دشمن سے صلح کرنے کی خود اپنی طرف سے کوشش جاری رکھی مگر اس کے ساتھ عزم و استقلال اور ہمت ایسی رکھتے تھے کہ جان دیدی مگر جو پہلے دن راستا صحیح سمجھ کر اختیار کر لیا تھا اُس سے ایک انچ نہ ہٹے۔

اُنھوں نے بحیثیت ایک فرزند کے باپ کی اطاعت کی اور چھوٹے بھائی ہو کر بھائی کی اطاعت کی اس طرح کہ ان کی وفادارانہ اطاعت میں کبھی کمزوری نظر نہ آئی اور پھر بحیثیت ایک حاکم کے کربلا کے واقعہ میں ایک پوری جماعت کی قیادت کی اس طرح کہ اُن کے نظمِ قیادت کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔ اُن کی نگاہ نے مردم شناسی کا وہ حیرت انگیز نمونہ پیش کیا کہ اتنے سخت اور دشوار گزار راستے کے لیے جن ساتھیوں کو منتخب کر کے اُنھوں نے اپنے ساتھ لے لیا تھا اُن میں سے ایک نے بھی وفاداری اور جاں نثاری میں کمی نہ کی اور سب

یکجان و یکدل ہو کر اُن کے مقصد کے لئے کوشاں رہے یہاں تک کہ جانیں قربان کر دیں۔ یہ واقعات کچھ ایسے صفات کا پتہ دے رہے ہیں جو حسین کو دنیائے انسانیت کا ایک معیاری نمونہ ثابت کرتے ہیں حسین میں جاذبیت صرف اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ بیگناہ قتل ہو گئے اور مظلوم کے ساتھ ہمدردی ہر انسان کی فطرت ہے بلکہ اُن کے اوصاف و کمالات جو اُن کے واقعات سے ظاہر ہیں اُن کی جانب تمام انسانی برادری کے دلوں کو موڑتے ہیں اور ہر باخبر اور کشادہ دل انسان اس پر مجبور ہے کہ وہ حسین کو عزت کی نگاہ سے دیکھے اور عظمت کا اعتراف کرے۔

(قوت برداشت)

ناظرین آئندہ کے واقعات میں غلط نتائج تک پہونچ سکتے ہیں اگر وہ حسین کی اُفتادِ طبع اور سابقہ زندگی میں ان کی قوت برداشت کا اندازہ نہ کرلیں۔ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ حسین کو سات برس ہی کی عمر میں ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا جن میں اُن کے والد بزرگوار حضرت علیؑ کے مقابلہ میں دوسرے افراد نے اقتدار قائم کر لیا تھا اور حضرت علی ایسے شجاع اور طاقتور بہادر نے مفادِ اسلامی کی خاطر صبر و ضبط سے کام لیا تھا۔ یہ زمانہ پچیس برس تک رہا ظرف زمان کا یہ حصّہ وہ ہے جس میں حسین نے کمسنی کے حدود کو ختم کر کے نوجوانی کی منزل کو طے کیا اور پورے شباب کے درجہ تک پہونچے۔ عمر کا یہ دور وہ

ہوتا ہی جس میں ولولہ اُمنگ اور حوصلہ انسان سے خلاف تدبر اقدامات کرا دیا کرتا ہی مگر تمام ناگوار حالات کے باوجود امام حسین نے کوئی فعل ایسا نہیں کیا جو نظم، اصُول اور اپنے بزرگ مرتبہ باپ کے اختیار کردہ مسلک کے خلاف ہو بلکہ تاریخیں بتلاتی ہیں کہ جب مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ جناب عثمان محاصرہ میں تھے اور اُن پر پانی بند کر دیا گیا ہے تو حضرت علیؑ نے حسن اور حسین اپنے دونوں فرزندوں کو پانی پہونچانے کے لیے بھیجا تھا وہ باغیوں کی شورش کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گئے اور اپنے فرض کو انجام دیا۔ حضرت علیؑ کے دورِ حکومت میں مخالفوں کی جارحانہ کارروائیوں کے مقابلہ میں حسینؑ شریک رہے مگر جب صفین میں قرآن نیزوں پر بلند کیے گئے اور اپنے گرد و پیش کے لوگوں کے اختلاف سے مجبور ہو کر حضرت علیؑ کو جنگ کے ملتوی کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا تو جواں سال حسینؑ نے بلا توقف سرِ تسلیم خم کیا اور اپنے بھائی حسن کے ساتھ اُس معاہدہ پر دستخط کیے جو التوائے جنگ کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ حضرت علیؑ شہید ہو گئے اور اُن کی جگہ پر حضرت حسنؑ پیشوا تسلیم کیے گئے اور آپ کو اپنے حریف سے صلح کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو حسینؑ نے بھی اس مصالحت کے شرائط کی پابندی کی۔ دس برس تک کا زمانہ یوں ہی گزرا اور اس زمانہ میں ایسے واقعات پیش آتے رہے جو پیمانۂ صبر و ضبط کو چھلکا دیں مگر امام حسینؑ نے کوئی اقدام نہیں کیا یہاں تک کہ دنیا کے معاملات سے کنارہ کش، گوشہ نشین اور خاموش

رہتے ہوئے بھی امام حسنؑ زہر سے شہید کر دیئے گئے اور یہ تاریخ کا ایک عبرتناک واقعہ ہی کہ حضرت حسنؑ کو اُن کے نانا رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت نہ دی گئی۔ بلکہ مزاحمت ہوئی یہاں تک کہ جنازہ پر تیر چلائے گئے جن میں سی چند تیر تابوت کو توڑ کر حضرت حسنؑ کے جسم تک پہونچے۔ مگر بھائی کی وصیت اور حالات کے تقاضے کی بنا پر حضرت حسینؑ خاموش رہے اور اپنے بھائی کو روضہ رسول سی الگ مقام پر دفن کر دیا ان واقعات سی صاف ظاہر ہے کہ حسینؑ کوئی جذباتی انسان نہیں تھے وہ صابر اور متحمل تھے اور کبھی غصہ اور جوش میں آکر کوئی ایسا اقدام نہ کرتے تھے جو نظم، ضبط اور سکون کے خلاف ہو سخت سے سخت مواقع پر خاموشی آپ کا ایک مستقل کردار بن گئی تھی۔ بشرطیکہ اُس خاموشی سی اُن مقاصد کو کوئی ضرب نہ پہونچے جن کے وہ خود اور اُن کے نانا، باپ اور بھائی محافظ رہے تھے

واقعۂ کربلا کے اسباب

اب آپ کو اندازہ ہونا چاہیے کہ ایک ایسا صلح کل، متحمل، امن پسند انسان کیسے ایک ایسے اقدام کے لئے تیار ہو سکتا ہی جس میں اُس کے تمام ساتھیوں کے نہ تیغ ہو جانے کا یقین ہو بغیر غیر معمولی اسباب کے۔ پھر وہ اسباب کیا تھے؟

اچھا سنیے یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ حسین حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نواسے تھے اور حضرت محمدؐ اُس انقلاب کے مرکز تھے جس کا نام ہے "اسلام"

اسلام سے پہلے عرب کی معاشی اور معاشرتی دنیا جس قدر تاریک تھی اُس کا آپ تاریخ میں مشاہدہ کر سکتے ہیں مساوات انسانی کوئی چیز نہ تھی اور غلبہ، طاقت اور اقتدار سب کچھ تھا اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ تھی کہ ایک بڑے آدمی کے قتل ہو جانے پر صرف اُس کے قاتل کو نہ قتل کیا جاتا تھا بلکہ فریق مخالف کے سیکڑوں آدمی مار ڈالے جاتے تھے تب سمجھا جاتا تھا کہ خون کا اُس کے بدلا ہوا۔ اس کے برخلاف اگر بڑے آدمی کے ہاتھ سے کوئی چھوٹا آدمی قتل ہوتا تھا تو اُس کا خون معاف تھا۔

یہ بڑے اور چھوٹے کی تفریق ہزاروں تمدنی گناہوں کی سرچشمہ تھی اور انسانیت کے پرخچے اڑ رہی تھی ان سب کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے مادّیت کو اپنا معبود سمجھ لیا تھا ماوراء المادہ کا تخیل نہ باقی رہا تھا اس لئے مادی طاقت ہی اُن کے نزدیک سب کچھ تھی۔

"اسلام" جو ایک عظیم انقلاب کا حامل بن کر آیا تھا اُس نے سب سے پہلے اس کا اصلی سبب دور کرتے ہوئے لوگوں کی نگاہ کو مادّیت کے احاطہ سے آگے نکال کر ایک غیبی طاقت کی جانب متوجہ کیا جس کے لحاظ سے تمام افراد انسانی یکساں حیثیت رکھتے تھے اور پھر اُس نے

سابق کے تمام تفوق اور بلندی کے امتیازات کو مٹا کر نیا امتیاز قائم کیا کہ
جو شخص فرائض انسانی کو سب سے زیادہ انجام دیتا ہو وہ سب سے بہتر ہے
(ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) اس اصول کے ماتحت غلبہ، طاقت، اقتدار
قوم و قبیلہ کی زیادتی اور تعداد کی اکثریت یہ تمام باتیں کچھ نہ رہیں۔ اُس
نے کہا کہ ہر انسان دوسرے کے برابر ہی جب تک کہ انسانیت کے اوصاف
میں اپنے تئیں اُس سے بہتر نہ ثابت کرے۔

اس سے معاشی معاشرتی اور تمدنی حالات میں بڑی تبدیلیاں ہو گئیں
اسلام نے اس انقلاب کے پیدا کرنے میں بہت حد تک کامیابی حاصل کی
بہت سے بلند خاندان کے افراد کی شادی کی گئی اُن خاندانوں میں جو
قدیم زمانہ سے پست سمجھے جاتے تھے ایک بلند مرتبہ شخص کے قاتل کے بدلے
یہ امر ناممکن ہو گیا کہ سوائے اس کے کوئی دوسرا شخص قتل کیا جائے۔

بہت سی غیر قوم اور پردیسی انسانوں کو جو اس کے پہلے جانوروں
کے برابر سمجھے جاتے تھے اُن کے انسانی اوصاف کی بدولت وہ عزت
حاصل ہوئی جو بڑے بڑے خاندانی عربوں کو نہ تھی اور اکثر مہموں میں عرب
قوم کو سرداری قبول کرنا پڑی اُن لوگوں کی جنھیں وہ نسلی حیثیت سے اپنے
برابر نہ سمجھتے تھے یا مادی غلبہ اور اقتدار کے لحاظ سے جنھیں وہ کمزور خیال
کرتے تھے۔

ہر انقلاب کے بالکل متوازی ایک اور انقلاب شروع ہو جاتا ہے۔ جو انقلاب سے پیدا ہونیوالے امتیازات کو مٹا دینا چاہتا ہے اور رجعت پسندی یا قدامت پرستی کے امتیازات کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

اسلام کو اس حیثیت سے اُن تمام قبائل کا مقابلہ کرنا پڑا جو اس کے پہلے اپنے تئیں غلبہ و اقتدار کا حقدار سمجھتے تھے۔ خواہ نسلی تفوق کی بنا پر خواہ مال و دولت کی بنا پر اور خواہ اپنے قوم و قبیلہ کی بنا پر۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سلسلہ میں کئی لڑائیاں لڑنا پڑیں جن میں بدر۔ اُحد اور احزاب بہت مشہور لڑائیاں ہیں ان میں بنی امیہ کا سردار ابوسفیان بہت آگے آگے تھا اور وہ مخالف جماعت کا سرگروہ تھا۔

ان مقابلوں میں اگرچہ کامیابی اسلام کو ہوئی مگر ہر کامیابی مخالف جماعت کی دل میں ایک جذبۂ انتقام پیدا کر دیتی تھی اور اس لئے ظاہری قوتوں کے توازن میں اسلام اگرچہ سب سے وزنی طاقت بن گیا مگر اُس کے خلاف مخالفت کا جذبہ باطنی طور پر سنگین تر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک وہ وقت آیا جب فریق مخالف کی شکست نے مختتم طور پر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور مخالف جماعت کے لوگ یہاں تک کہ خود ابوسفیان اور اُس کے خاندان والے اسلام لے آئے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ

دبی ہوئی اور شکست خوردہ قوموں کے کچھ نفسیات ہوتے ہیں۔ اسلام سے شکست خوردہ جماعت یعنی بنی امیہ اور ان کے ہوا خواہ جب اسلام لے آئے تو ان کی نفسیاتی حیثیت یہ تھی کہ وہ برابر موقع کے منتظر تھے کہ کس طرح ہم اسلام کو نقصان پہونچا دیں اور اگر اس کو ختم نہ کر سکیں تو کم از کم اس کے مقصد کو تبدیل کر کے ان امتیازات کو مٹا دیں جو اس نے قائم کئے ہیں اور اس کے پردہ ہی میں سہی، مگر ان امتیازات کو قائم کر دیں جو اسلام کے پہلے عرب میں قائم تھے۔

پیغمبر اسلام کی زندگی میں ان کے اس مقصد کی تکمیل مشکل تھی مگر پیغمبر کے بعد ان کو اپنے مقاصد کی کامیابی کی کافی توقع تھی۔

پیغمبر اسلام کے بعد اسلامی انقلاب کے محافظ پیغمبر کے ورثہ دار، ان کے گھرانے والے وہ لوگ تھے جنھیں وہ برابر اپنے کاموں میں شریک رکھتے تھے اور جنھیں انھوں نے اپنے مقاصد سے پورے طور پر مطلع کر دیا تھا اور ان کی عملی تربیت اس طرح کر دی تھی کہ وہ اپنے اقوال و افعال سے ان مقاصد کے ترجمان اور محافظ بن سکیں۔ ان میں اور اس کے متوازی دوسرے انقلاب کے علمبرداروں میں کشمکش لازمی تھی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر دفعہ آزمایش کے وقت آل رسولؐ کے ساتھی کم نکلے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ اس کے وجوہ اقتصادی بھی ہیں اور سیاسی بھی نفسیاتی بھی

اور نسلی بھی۔

آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام قدیم امتیازات کو مٹا کر مساوات کا پیغام لے کر آیا تھا اور اس نے امتیاز صرف فرائض انسانی کی بناء پر قرار دیا تھا۔ مال اور دولت کی اس طرح تقسیم کہ جس میں جانبداری اور عدم مساوات پیدا ہو جائے اسلام کے اصول کے خلاف تھی اور اس کے محافظین بھی اس کے قریب نہ جا سکتے تھے اس لئے آل رسول کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ خزانہ میں روپیہ جمع کر کے دولتمند بنیں اور خصوصیت سے اُن لوگوں کو زر و جواہر سے مالا مال کریں جن سے اُن کو اپنے اقتدار کے قوی بنانے میں فائدہ کی امید ہو۔ یہاں تو یہ عالم تھا کہ حضرت علیؑ سے اُن کے بھائی عقیل تک برگشتہ ہو گئے اس بنا پر کہ وہ چاہتے تھے کہ اُن کو تمام مسلمانوں سے زیادہ کچھ دیا جائے اور حضرت علیؑ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ پھر جب خاص اپنے بھائی کا یہ عالم تھا تو دوسروں کا کیا ذکر۔

اس کے برخلاف دوسری جماعت کے لوگوں کو اس کی پرواہ نہ تھی۔ وہ اپنے اقتدار کے قائم رکھنے کے لئے خزانہ کا منھ کھول دیتے تھے اور جس کو اپنے مطلب کا سمجھتے تھے اُس کو مالا مال کر دیتے تھے۔

اس کے علاوہ اسلام نے اُن تمام مقتدر اشخاص اور جماعتوں کے امتیازات کو ختم کر دیا تھا جو اس کے پہلے برسر اقتدار تھیں اور ایک بالکل

الگ معیار قائم کیا تھا وہ مقتدر جماعتیں آپس میں کتنی ہی قبیلانہ چشمک رکھتی ہوں لیکن اسلام سے زخم خوردہ وہ سب ہی تھیں اس لئے اسلام کے حقیقی مقصد اور قائم کردہ امتیاز کو مٹانے میں وہ سب ہم آہنگ بن سکتی تھیں اس لئے کہ اسکو مٹانے میں اُن میں سے ہر ایک کے اقتدار کا قیام منحصر تھا پھر یہ بھی ہے کہ سابق کی شکستوں کا اُن سب ہی کے دل پر اثر تھا۔ اور سب ہی میں جذبۂ انتقام پایا جاتا تھا اور پھر اتفاق کی بات یہ ہے کہ رسول کے مسلک کے محافظ تمام ایک خاص خاندان (بنو ہاشم) کے لوگ تھے جن سے اکثر عرب خاندانوں کو پہلے ہی حسد اور عناد تھا اس لئے وہ نسلی تعصبات بھی مخالفت پر آمادہ کرتے تھے۔ اور چونکہ عرب میں قبائلی نظام بڑی قوت کے ساتھ قائم تھا ہر قبیلہ کے سر گروہ اور بڑے افراد اُن جذبات کی بنا پر جو ابھی بیان ہوئے تھے جس راستے پر جاتے تھے عوام اور پست افراد اہل قبیلہ اُن ہی کی پیروی کرتے تھے کیونکہ عوام کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا نہ اُن کی کوئی رائے خصوصاً جبکہ جہالت بھی ان میں اُس حد تک تھی کہ جو اُن ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔

بنو امیہ کا اقتدار مسلمانوں میں بحیثیت ایک صوبہ دار حاکم کے شروع ہوا ملک شام میں معاویہ کا گورنر مقرر کیا جانا اس کا آغاز تھا اُنھوں نے اپنے دور حکومت کی ابتدا ہی سے اپنی سیاسی روش ملوکانہ شان و شوکت کی حامل رکھی

مسلمانوں کے اقتدار اعلیٰ کی طرف سے اس پر انتباہ ہوا تو ایک چالاک اور شاطر سیاست داں کی طرح یہ کہکر تسکین کردی گئی کہ چونکہ شام کی سرحد قیصر روم کے ملک سے ملی ہوئی ہے اس لئے یہاں اسلام کی عظمت کو قائم رکھنے کے لئے اس طرح کے جاہ و جبروت کی ضرورت ہے۔

سمجھنے والے سمجھے کہ اس طرح درحقیقت اسلام کے اس قدر و قیمت اور معیار کو مٹانا ہے جو اس نے بڑی کوشش سے دنیوی جاہ و شوکت کی قدر و قیمت کو مٹا کر قائم کیا تھا اس میں ترقی اس وقت پوری طرح ہوگئی جب اسلام کا اقتدار اعلیٰ بھی بحیثیت خلیفۂ وقت بنو امیہ کی ایک بزرگ شخصیت کو حاصل ہوگیا۔ اقتصادی اور سیاسی حیثیت سے پورے طور پر اس وقت بنی امیہ کو قوت حاصل ہوئی اور وہ امتیازات بالکل نظرانداز ہونے لگے جو اسلام کے سادہ اور غربا پرور اصول نے قائم کئے تھے۔ اس کا ادنیٰ نمونہ تھا ابوذر غفاری کا جلاوطن کیا جانا۔ عمار یاسر اور ابن مسعود کو زدوکوب کیا جانا۔ مخفی نہ رہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو اسلام کے قائم کردہ حدود و امتیازات میں بڑی عظمت کے مستحق تھے مگر موجودہ طاقت و اقتدار کے حدود میں وہ بالکل کم حقیقت اور بے وقعت ہو گئے تھے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اسلامی انقلاب کی جگہ قدامت پرستانہ انقلاب فتح پانے لگا اور اسلام کے مقررہ حدود کے بجائے دوسرے حدود و امتیازات قائم ہو گئے۔

حضرت علیؑ کی خلافت کا مختصر دور تمام تر اسی اموی اقتدار کے مقابلہ میں صرف ہوا جس میں حضرت علیؑ کو بہت محدود کامیابی حاصل ہوسکی۔

حضرت علیؑ کی زندگی ختم ہونے کے ساتھ اُس اقتدار میں اور اضافہ ہوگیا یہاں تک کہ حضرت امام حسنؑ کو صلح پر مجبور ہونا پڑا اور اس طرح آپ نے مخالف طاقت کے جارحانہ اعمال کو شرائط صلح کے ذریعہ سے محدود بنانے کی کوشش کی مگر حضرت امام حسنؑ کو زہر دیکر شہید کر دیا گیا اور شرائط صلح کی خلاف ورزی کی جانے لگی۔ اور سیاسی اقتدار کی جرأت و بیباکی اس حد پر پہونچی کہ حجر بن عدی اور اُن کے بہت سے ساتھیوں کو جو بڑے عابد و زاہد متقی اور پارسا تھے تہ تیغ کر دیا گیا اور عمرو بن الحمق الخزاعی کا جو اسلامی نقطہ نظر سے بڑا درجہ رکھتے تھے سر قلم کر کے نیزے پر بلند کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلام کا نظریہ روحانیت و للّٰہیت فنا ہونے لگا اور مسلمانوں میں بھی "طاقت حق ہے" کا عملی طور پر کلمہ پڑھا جانے لگا۔ حق پرستی ختم ہوئی۔ آزادی ضمیر رخصت ہوئی۔ ایمان اور اعتقاد روپہلے اور سنہرے سکّوں پر بیچا جانے لگا اور مادی اقتدار کے طاغوت کی پرستش ہونے لگی۔

یہ حالات پھر بھی برداشت کیے جانے کے قابل تھے اگر معاویہ کی جانب سے اس شرط کی مخالفت نہ ہوتی کہ اُن کو اپنے بعد کسی جانشین کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

امام حسنؑ نے بڑی عاقبت اندیشی اور انجام بینی سے یہ شرط قرار دی تھی مگر اموی سیاست اپنے مقاصد کے لحاظ سے نامکمل اور ناکام رہتی اگر اس شرط پر عمل کر لیا جاتا اس لئے معاویہ نے اپنے بعد کے لیے اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد بنایا اور صرف نامزد ہی نہیں بنایا بلکہ تمام عالم اسلامی سے بڑی کوشش کے ساتھ یزید کی بیعت حاصل کی گئی۔

یزید کے افعال و اعمال اگر وہ نہ بھی ہوتے جن کو اس کے بعد مختصر طور سے بیان کیا جائیگا تب بھی اُس کو ولیعہد بنانا شرائط صلح نامہ کے خلاف ہونے کی بنا پر ناجائز تھا مگر مسلمانوں میں اقتدار و طاقت سے مرعوبیت اس درجہ بڑھ گئی کہ کسی کو اس پر توجہ نہ ہوئی اور توجہ ہوتی بھی تو اظہار کی جرأت نہ تھی۔

آلِ رسولؐ میں اس وقت بزرگ ہستی حضرت امام حسینؑ کی تھی۔ آپ بنی امیہ کے طرز عمل کو مدت سے محسوس کر رہے تھے کہ وہ کس طرح اسلام کے بنیادی مقاصد کے خلاف ہے اور کس طرح دنیا کو رجعت پسندی اور قدامت پرستی کی طرف لے جا رہا ہے پھر بھی وہ اس کے متوقع تھے کہ شاید یہ صورت حال معاویہ کی زندگی کے اختتام کے ساتھ ختم ہو جائے مگر یہ اُس انقلابی سیاست کی آخری چال تھی کہ شاہان خود مختار کی طرح اپنے بعد کے لیے اپنے بیٹے کو بغیر اُس کے اوصاف کے لحاظ کئے ہوئے نامزد بنا دیا۔ آپ نے اس کو شدت سے محسوس کیا اور اندازہ کیا کہ آپ پر کیا فرض عاید ہوتا ہے۔

معاویہ بھی سمجھتے تھے کہ اس معاملہ میں سب سے زیادہ متعلق انسان حسینؑ ہیں اس لئے انھوں نے آپ کو ملانے کی پوری کوشش کی مگر نتیجہ میں ناکام ہونا پڑا۔ یہ بنی امیہ کے اقتدار کو بڑی کاری ضرب تھی جسے معاویہ کی قوت فراست سمجھ چکی تھی اسے حسین بن علیؑ کا ایک بڑا تدبر سمجھنا چاہئے کہ آپ نے اپنے عمل کو سکوت اور بے تعلقی تک محدود رکھا۔ آپ جانتے تھے کہ فریق مخالف اس سکوت کو توڑنے میں انتہائی تشدد سے کام لے گا جس کے لیے آپ تیار تھے مگر آپ یہ نہ چاہتے تھے کہ آپ کی طرف کسی جارحانہ اقدام یا بغاوت و شورش کا الزام عائد کیا جا سکے۔

معاویہ بڑے جہاندیدہ انسان تھے وہ حسینؑ کے اس سکوت کو اپنی اقتدار کی شکست کا مرادف سمجھ کر بیچین تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ اگر ہم سختی کرینگے تو وہ اس شکست کی انتہائی تکمیل ہوگی اس لیے حسینؑ چاہتے تھے کہ میں خاموش رہوں اور حریف تشدد سے کام لے اور معاویہ کا مطلب تھا کہ ہم تشدد سے علیحدہ رہیں اور حسینؑ کی خاموشی قائم نہ رہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ کربلا کی جنگ یہیں سے شروع ہوتی ہی مگر یہ ایک صبر آزما اور روحانی کشمکش تھی جو نہ معلوم کب تک جاری رہتی اگر معاویہ کا رشتۂ عمر قطع نہ ہوتا اور نوعمر ناتجربہ کار، غرور سلطنت سے بدمست یزید تخت سلطنت پر نہ بیٹھتا۔

حسینؑ کی بیعت سے علیحدگی اور خاموشی معاویہ کو بھی اتنی ہی شاق تھی جتنی یزید کو مگر معاویہ کو تشدد کے نتیجہ کا اندازہ تھا اور یزید کو نہ تھا یزید نے حسینؑ کی خاموشی کو طاقت و اقتدار سے توڑنا چاہا اور بجبر آپ سے بیعت لینے کی خواہش کی۔

ولید بن عقبہ جو مدینہ میں اس کا گورنر تھا اُسے وفات معاویہ کی اطلاع کے ساتھ ہی یہ پیغام بھیجا کہ جلد سے جلد حسین بن علیؑ سے میری بیعت لو اگر بیعت نہ کریں تو اُن کا سر قلم کر کے بھیجدو۔ یہ تھا وہ پہلا قدم تشدد کا جو یزید کی طرف سے اُٹھایا گیا اور اگر ولید اس حکم کی پوری تعمیل کرنا چاہتا تو مدینہ ہی کربلا بن جاتا۔ امام کے سامنے اس مطالبہ کا اس طرح پیش ہونا گویا حسینی تدبر کی پہلی فتح اور اموی سیاست کی ابتدائی شکست تھی اُس نے سمجھا تھا کہ حسین کی بیعت سے علیحدگی ایک وقتی بات ہے جو اس دھمکی سے فوراً قبول بیعت سے تبدیل ہو جائیگی اور حسین نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ سوچ سمجھکر اُس کے تمام آخری نتائج کا اندازہ کر لینے کے بعد اختیار کیا تھا وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلامی مقاصد، حدود و امتیازات میں کس طرح تبدیلی ہو گئی ہے مگر اس پر ابھی تک ظاہری اسلام کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس لئے عام اشخاص اُس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے حسینؑ چاہتے تھے کہ فریق مخالف کو تشدد کے آخری درجوں پر پہونچا کر اُس کے غیر انسانی جذبات کو اس طرح نمایاں ہونے کا موقع

دیں کہ عوام کو اس کا قوی احساس پیدا ہو جائے اور آنکھوں کے سامنے سے
پردے ہٹ جائیں۔

امام حسینؑ کے لیے اپنے مقصد کے حصول کا سوائے اس کے کوئی ذریعہ ہی نہ تھا
یہ تو ممکن تھا کہ وہ اپنی جان بچا لیتے مگر جان کو بہر حال بچانا ہوتا تو وہ شروع
ہی سے بیعت سے انکار نہ کرتے جان کا بچانا انھیں مدنظر تھا اسی حد تک کہ اُن
کے اصول اور مقصد کا بھی تحفظ ہو لیکن اگر مقصد کا تحفظ جان کے دینے پر موقوف
ہو تو پھر اُن کے نزدیک جان کا دیدینا آسان امر تھا۔

مقصد کے تحفظ کے لیے صرف دو طریقے ہو سکتے ہیں ایک فریق مخالف سے مل کر
شرائط صلح کے ذریعہ سے۔ دوسرے جنگ کر کے فتح و غلبہ حاصل کر کے۔ یہ دونوں طریقے
امام کیلئے ناممکن تھے صلح کی منزل کو امام حسنؑ طے کر چکے تھے اور شرائط صلح کی
مخالفت ہی اب وہ صورتِ حال تھی جو امام حسینؑ کے سامنے تھی حالانکہ معاویہ
اپنے کردار کے ذریعہ سے بہ نسبت یزید کے کہیں اونچا درجہ رکھتے تھے پھر جب معاویہ
کے ساتھ مصالحت نتیجہ میں ناکام ہوئی تو یزید کے ساتھ مصالحت کے کیا معنی؟۔
جبکہ یزید کے افعال وہ تھے جو کھلم کھلا اسلامی اصول و قوانین کے ساتھ
جنگ رکھتے تھے۔ یہاں اسلام کے ظاہری رسوم نماز روزہ وغیرہ کا بھی پتہ نہ تھا اور
نکاح و ازدواج کے اصول و قوانین کی بھی مراعات نہ تھی اور اسلام کے منہیات
مثلاً شراب وغیرہ کا ظاہر بظاہر ارتکاب تھا اور اس کے ساتھ اسلامی خلافت

کا دعویٰ تھا۔ موجودہ حالت میں اگر حسینؑ بھی جو کہ اسلامی تمدن کے محافظ تھے یزید کی بیعت کر لیتے اور مصلحت سے کام لیتے تو یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کا تمدن و تہذیب اور اصول معاشرت مستقل طور سے یہی بن جاتا کہ جس طرف بنی امیہ کی سیاست لئے جا رہی تھی اور جس کا یزید اپنے وقت میں بہترین نمونہ تھا۔

کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ حسین کے واقعۂ شہادت کے بعد بھی تو بہت سے سلاطین انہی افعال کے مرتکب ہوئے جن کا یزید ارتکاب کرتا تھا مگر یاد رکھنا چاہیے کہ حسینی مقاومت نے اسلام کے تمدن و اصول کو اتنا نمایاں کر دیا کہ اب اس کے خلاف جو افعال ہوتے ہیں وہ بالکل انفرادی اور شخصی جرائم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اُن کا کوئی ذہنی اثر افراد جامعہ پر نہیں پڑتا۔ یہ خطرہ اب ہمیشہ کے لیے دُور ہو گیا ہے کہ اسی کو اسلام کا مستقل اصول اور طریق معاشرت سمجھ لیا جائے کیونکہ حسین اور اُن کے ساتھیوں نے اسلام کے حقیقی اخلاق کا کربلا میں نہ مٹنے والا نمونہ پیش کر دیا اور اُس کی آئینی اہمیت کو انتہا درجہ واضح کر دیا ہے اب اگر اسلام کے دامن پر دھبا لگانے کیلئے سلاطین بنی امیہ و بنی عباس کی مثال پیش کی جائے تو فوراً اسلام کی جانب سے صفائی پیش کرنے کے لیے حسینؑ کا اقدام تاریخ کے صفحات پر سامنے آجاتا ہے۔

یزید اور امام حسینؑ کے مقاصد بالکل مختلف اور متضاد تھے وہ جاہلیت کے مادی دور کے پلٹانے کا علمبردار اور حسینؑ روحانیت اور انسانیت کو قائم

اگرنے کے ذمہ دار وہ طاقت واقتدار کا سکہ چلانے کا درپے اور حسینؑ حق وراستی کا علم بلند کرنے پر آمادہ۔ وہ اسلامی حدود وامتیازات کو مٹانے پر تُلا ہوا اور حسینؑ اسلامی امتیازات کو باقی رکھنے پر کمربستہ۔

پھر بھلا بتایئے کہ امام حسینؑ اور یزید میں صلح کیونکر ہو سکتی تھی۔

دوسری صورت یہ تھی کہ آپ طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرتے اور فتح وغلبہ حاصل کر کے یزید کو شکست دیتے مگر آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہی کہ طاقت کے مقابلہ میں آل رسولؐ کے ساتھی ہمیشہ کم نکلتے تھے۔ اس طرح کا تجربہ پورے طور پر حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے وقت میں ہو چکا تھا۔

پھر دنیا کی ذہنیت اتنی مؤف ہو چکی تھی کہ اگر آپ فوج ولشکر جمع کر کے جنگ بھی کرتے تو جو اس کی واقعی حیثیت تھی اُس کے سمجھنے والے بہت کم اور یہ سمجھنے والے زیادہ ہوتے کہ حکومت وسلطنت کی غرض سے دو بادشاہوں کی جنگ ہے اور سیاسی حیثیت سے یزید کا پلہ گراں رہتا اس لیے کہ وہ بادشاہ تسلیم کیا جا چکا تھا اور حسینؑ کا پلہ سبک ہوتا اس بنا پر کہ وہ ایک باغی کی حیثیت رکھتے تھے اگر اس صورت میں آپ کو فتح حاصل بھی ہوتی جو بظاہر ناممکن تھی، تو اُس کا اثر ایک وقتی انقلاب سلطنت کی صورت سے ہوتا حسینؑ کا اثر دیرپا نہیں رہتا اور بنی امیہ پر جو ظاہری اسلام کا پردہ تھا وہ اب بھی اسی طرح پڑا رہتا جیسے اس کے پہلے تھا اور اگر کچھ لوگ حسینؑ کو حق پر

سمجھتے بھی ہوتے تو فریق محارب کو خطا، اجتہادی کا سارٹیفکیٹ دیدیتے جیسا کہ اس کے پہلے صفین کی جنگ میں ہوا۔ اس صورت میں بنو امیہ کے باطنی حالات کا اس درجہ انکشاف کہ جو ان سے ہمدردی کا کوئی گوشہ انسانیت کے دل میں باقی نہ رکھے ہرگز نہیں ہوسکتا تھا اور جب تک اُن سے نفرت انتہائی درجہ پر پیدا نہ ہوتی اُس وقت تک اُن امتیازات و حدود کی مکمل شکست نہیں ہوسکتی تھی جسے بنی امیہ نے عملی طور پر قائم کرنا چاہا تھا۔

معلوم ہوا کہ صلح بھی ناممکن تھی اور جنگ بھی۔ پھر اب تیسرا راستا کون سا تھا؟ وہی جسے حسینؑ نے اختیار کیا اور اگر حسینؑ اختیار نہ کرتے تو اس کا تصور بھی ہمارے لئے دشوار ہوتا۔

آپ نے اقتدار کا مقابلہ بے بسی سے، کثرت کا مقابلہ وحدت سے اور ظلم کا مقابلہ مظلومیت کے ساتھ کیا اور یہ وہ طریقہ جنگ تھا جس کا مشاہدہ اس کے پہلے دنیا نے نہیں کیا تھا۔ آپ کی نظر میں شکست و فتح کا مفہوم بالکل جداگانہ تھا فتح کے معنی یہ نہ تھے کہ آپ دشمن کی فوجوں کو پامال کر کے اُس کے ملک پر قبضہ کر لیں اور شکست کے یہ معنی نہ تھے کہ آپ کے ساتھ والے سب ختم ہو جائیں اور آپ بھی قتل ہو جائیں۔

آپ کے نزدیک فتح کے یہ معنی تھی کہ کہاں تک آپ اپنے اصول کی حمایت میں مصائب کا زیادہ مقابلہ کرتے ہیں اور کہاں تک آپ کا دشمن اپنے مقاصد کے

تحفظ میں زیادہ تشدد سے کام لیتا ہے۔ دشمن کے تشدد کا ہر قدم ایک مورچہ تھا جسے حسین فتح کرتے تھے اور اُس کا انتہائی متشددانہ اقدام حسین کی اپنے مقصد کے لحاظ سے ایک مکمل فتح تھی۔

اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسینؑ نے اپنے ساتھ بڑا سامان کیا تھا۔ طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرنا ہوتا تو فوج و لشکر کی تعداد میں اضافہ کرتے انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ تعداد کو تو حتی الامکان زیادہ سے زیادہ مختصر بنایا مگر اُنھوں نے اپنے ساتھ ایسے ایسے عابد و زاہد متقی اور پارسا لوگوں کو لیا جن کی نیکی اور پاکدامنی زہد اور تقویٰ کا سارے ملک میں کلمہ پڑھا جاتا تھا، اُنھوں نے ایسے بوڑھے اپنے ساتھ لیے جن کی بھویں لٹک کر آنکھوں تک آگئی تھیں اور اُنھوں نے ایسے جوان اپنے ساتھ لیے جن کے شباب اور حسن و جمال کا نظیر نہ تھا، کچھ ایسے بچے بھی ساتھ لیے جن کے ہاتھوں میں تلوار اُٹھانے کی طاقت نہ تھی بلکہ گہوارے میں لیٹے ہوئے شیر خوار بچہ تک کو اپنے ساتھ لیا اور پردہ نشین عورتوں کو جو رسول اللہؐ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور جن میں رسولؐ کی حقیقی نواسیاں بھی موجود تھیں اپنے ساتھ لیا۔

تم اس سازوسامان سے سمجھ سکتے ہو کہ حسینؑ کا مقصد کیا تھا اور وہ کس طرح اپنے مخالف سے جنگ کرنا چاہتے تھے۔ یاد رکھو کہ حسینؑ کے ساتھ یہ وہ تین گنتیں تھیں جن کو حسینؑ بنی امیہ کے قصر استبداد کے تباہ کرنے

کا انتہائی طاقتور ذریعہ سمجھتے تھے اور بیشک اُن کا خیال صحیح تھا۔ امام حسینؑ کیلئے بہترین اور مفید ترین یہی راستا تھا اور اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہ تھا۔

مدینہ سے روانگی

امام حسینؑ نے بیعت کے مطالبہ کو سُن کر پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ مدینہ کو چھوڑ دیا اس میں امن پسندی کے ثبوت کے علاوہ اپنے مقاصد کی اشاعت کا پہلو بھی مضمر تھا اگر آپ مدینہ میں شہید ہو جاتے تو مخالف کی طرف سے اس کی بہت سی تاویلیں کر دی جاتیں اور جسطرح امام حسنؑ کا قتل آجتک عوام کی نگاہ میں مشتبہ ہے اُسی طرح امام حسینؑ کی شہادت بھی مخفی رہتی اور قربانی کا وہ مقصد حاصل نہ ہوتا جو امام کے پیش نظر تھا۔

مکہ میں پناہ

آپ نے مدینہ سے نکلکر حرم خدا میں پناہ لی۔ بظاہر تو یہ صرف حفاظت خود اختیاری کا ایک طریقہ تھا مگر اس میں بہت بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ مکہ معظمہ تمام ممالک عربیہ کا مرجع و ماوی تھا اور ہر سمت سے لوگ مکہ میں مجتمع تھے۔ امام کا مکہ میں قیام لوگوں کو اس سوال پر مجبور کرتا تھا کہ کن اسباب کی بنا پر فرزند رسول نے نانا کے جوار کو ترک کیا ہے۔ اس صورت سے یزید کے ساتھ آپ کے خاموش اختلاف اور اُس کے وجوہ کا اعلان تمام ملک میں ہو گیا اور اُن غلط فہمیوں کا سدباب ہو گیا جو اس سلسلہ میں پھیلائی جا سکتی تھیں۔

مکہ سے روانگی

آپ کی مکہ سے روانگی بالکل غیر متوقع حالات میں تھی۔ ایک ایسے موقع پر جبکہ حج

کو صرف دو روز باقی تھے اور دُور دُور کے لوگ سمٹ سمٹ کر مکہ میں جمع ہو رہے تھے ایسے موقع پر آپ کا حج کو ترک کر کے مکہ سے روانہ ہو جانا غیر معمولی ہی حالات کا نتیجہ ہو سکتا تھا آپ کو اندیشہ تھا کہ آپ کی موجودگی مکہ معظمہ کی سرزمین پر خونریزی کا باعث نہ ہو آپ نے حرم خدا کی عزت پر اپنی سکون کی زندگی کو قربان کر دیا۔

کیا آپ کی اس غیر متوقع طور پر روانگی مکہ معظمہ کے بین القبائلی اجتماع میں شدید احساس و توجہ پیدا ہونے کا باعث نہ ہوئی ہوگی؟

اس موقع پر جبکہ ذرائع خبر رسانی مفقود تھے امام نے اپنے اس طرز عمل سے دنیائے اسلام کو صورت حال سے آگاہ کرنے کے وہ اسباب مہیا کیے جن سے بڑھ کر کوئی ذریعہ ممکن نہ تھا

کربلا میں ورود

امام حسینؑ کو اہل کوفہ رہنمائی کے واسطے مدت سے بلا رہے تھے جبکہ آپ کا مکہ سے نکلنا ناگزیر ہو گیا تو کوفہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو وہاں حالات کے مطالعہ کیلیے بھیج بھی چکے تھے۔ اور انہوں نے بھی لکھ دیا تھا کہ یہاں کے لوگ آپ کے ساتھ وفاداری پر تیار ہیں۔

ان حالات کی بنا پر آپ کوفہ کی جانب متوجہ ہوئے مگر اس عرصہ میں وہاں کی فضا میں انقلاب ہو چکا تھا اور یزید کی جانب سے ابن زیاد کی حکومت قائم ہو گئی تھی جس نے کوفہ کے گرد افواج کا آہنی حصار قائم کر دیا تھا۔ ابھی امام راستے ہی میں تھے کہ کوفہ کی فوج آکر سدراہ ہوئی اور آپ کو آگے بڑھنے یا واپس جانے سے روکا مجبوراً آپ

کربلا کی زمین پر اُتر پڑے۔ یہی وہ زمین ہے جو اس عظیم الشان قربانی کا مرکز قرار پائی جو "واقعہ کربلا" کے نام سے آج دنیا میں مشہور ہے۔

کربلا پہونچنے کے بعد

ابن زیاد کو علم ہوا کہ حسینؑ کربلا پہونچ گئے ہیں اُس نے فوجیں بھیجنا شروع کیں اور اس قدر فوجیں کہ وسیع جنگل آدمیوں کی کثرت سے لبریز نظر آنے لگا۔ سمجھ لیجیے کہ کوفہ کی تمام جنگ کے قابل آبادی کربلا کی سرزمین پر اُمنڈ آئی تھی عمر سعد اس فوج کا افسر تھا

امن وامان کی کوشش اور اس میں ناکامی

امام حسینؑ نے کوشش کی کہ کسی طرح خونریزی کی نوبت نہ آئے اور امن وامان کو صدمہ نہ پہونچے۔ اس غرض سے آپ نے عمر سعد کے ساتھ نامہ وپیام کا سلسلہ جاری کیا اور بات اتنے پر ختم ہوئی جاتی تھی کہ آپ عراق میں قیام کے خیال کو ترک کر دینگے اور اگر ضرورت ہو تو عرب کا ملک بھی چھوڑ دینگے اور کسی دور دراز جگہ پر چلے جائیں گے۔

غور کیجیے تو اس صورت سے بھی حسینؑ کی فتح تھی یعنی آپ کا ملک کو ترک کرنا بھی اُسی مقصد کا ایک اعلان تھا جس کی خاطر آخر میں آپ کو جان دینا پڑی لیکن چونکہ عقل اور آئین کے حدود میں جبتک مقصد کا تحفظ جان دئے بغیر ہو سکے اُس وقت تک ایسا اقدام خودکشی ہے اس لیے آپ دوسری صورتیں پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

عمر سعد نے اس بے ضرر تجویز کا خیر مقدم کیا تھا اور اُس نے ابن زیاد کو لکھا تھا کہ

الحمد اللہ فتنہ و فساد ختم ہو گیا حسینؑ آمادہ ہیں کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہاں واپس جائیں یا ملک کو چھوڑ دیں مگر ابن زیاد جسے آل رسول سے سخت عداوت تھی بعض مفسدین کے ورغلانے سے اس پر آمادہ نہ ہوا اور اُس نے اسی پر اصرار کیا کہ حسین بعیت کر لیں تب اُن کی جان بچ سکتی ہے۔ یہ وہ بات تھی جسے پہلے سے حسینؑ طے کر چکے تھے کہ ناممکن ہے۔ اُنھیں بعیت کرنا ہوتی تو پہلے ہی دن کیوں نہ کرتے اب خطرہ کو سامنے دیکھکر وہ اس بعیت پر تیار ہو جاتے تو وہ ایک کمزور نفس اور ضمیر کے انسان ثابت ہوتے اور وہ حسینؑ نہ ہوتے کوئی اور شخص ہو سکتا تھا۔

حقیقتہً امام حسینؑ اور یزید کے درمیان جو خلیج حائل تھی وہ شخصی یا ذاتی نہ تھی اسلامی اور اجتماعی تھی۔

یہ تو اتفاق کی بات تھی کہ مقابل میں بنی امیہ کا ایک شخص یزید ہی تھا نہیں وہ بنی امیہ نہ ہوتے کوئی اور قبیلہ ہوتا۔ بلکہ بنی ہاشم ہی کا کوئی شخص ہوتا لیکن اگر وہ اُن مقاصد کے ساتھ تصادم رکھتا ہوتا جس کے حسینؑ محافظ تھے تو آپ اُس کے مقابلہ میں یونہی کھڑے ہو جاتے جس طرح یزید کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے

امام حسینؑ کے مقاصد

ہر جنگ میں مقاصد کا سوال ضرور پیدا ہوتا ہی حسینؑ کے مقاصد بہت حد تک اُن کے افعال سے ظاہر ہیں جن پر کسی حد تک اس کے پہلے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے اقوال جو مختلف خطبوں میں ہم تک پہونچے ہیں آپ کے مقاصد کی تشریح کر سکتے ہیں

افسوس ہے کہ تاریخ نے اُن تمام خطبوں کو محفوظ نہیں کیا جو آپ نے متعدد مواقع پر ارشاد فرمائے ہیں مگر جہاں تک محفوظ رہ سکے ہیں وہ کسی حد تک اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔

سب سے پہلے اُس وقت جب ولید نے آپ کے سامنے بیعت یزید کا مطالبہ پیش کیا ہے آپ نے شروع میں دفع الوقتی سے کام لینا چاہا لیکن مروان کی مداخلت بیجا پر آپ کو غیظ آگیا آپ نے ولید کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

انا اهل بيت الرسالة ومعدن النبوة ومختلف الملئكة بنا فتح الله وبنا ختم الله ويزيد رجل فاسق شارب الخمر قاتل النفس المحرمة معلن بالفسق ومثلی لایبایع

"ہم اہلبیت رسالت ہیں اور معدن نبوت اور ملائکہ کے آمد کی منزل۔ کمالات انسانی کی ہم سے ابتداء اور ہم پر انتہا ہے اور یزید بدکار ہے اور شرابخوار۔ بے جرم و خطا خون بہانے والا اور علی الاعلان گناہوں کا ارتکاب کرنیوالا اور میرا ایسا شخص اُس کی بیعت نہیں کر سکتا"

اس میں آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو بتلاتے ہوئے اپنا اور یزید کی حیثیت کا تفرقہ اور اختلافات کے وجوہ صاف بیان کر دیے ہیں۔ آپ کا عمل اپنے آخری نقطہ تک آپ کے اسی قول کی تفسیر ہے اور بس۔

کربلا میں عمر بن سعد کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

واللہ لا اعطیکم بیدی اعطاء الذلیل ولا افرّ فرار العبید

"خدا کی قسم میں ذلت کے ساتھ اپنے کو تمھارے قبضہ میں نہ دیدوں گا اور نہ غلاموں کی طرح تمھارے سامنے سے بھاگوں گا"

یہ تھا بہادری اور جانبازی کی موت کا اعلان۔ اسی کو ایک دوسری جگہ اہل شام کو مخاطب کر کے اس طرح ارشاد کیا۔

یا عباد اللہ انّی عذت بربی و ربکم من کل متکبر لا یؤمن بیوم الحساب الموت فی عز خیر من حیٰوۃ فی ذل۔

"اے بندگان خدا میں پناہ مانگتا ہوں ایسے شخص سے جو نخوت و غرور رکھتا ہو اور روز قیامت پر ایمان نہ رکھتا ہو موت عزت کے ساتھ بہتر ہے اُس زندگی سے جو ذلت کے ساتھ ہو"

پہلے فقرہ میں جبار و سرکش یزید کے جبروت سلطنت کی تحقیر ہے اور دوسرے فقرہ میں اس کی تشریح ہے کہ مادی طاقت کے آگے بلند مقاصد کے خلاف سر جھکا دینا عزت انسانی کے خلاف ہے اور اُس زندگی سے جو اس طرح ہو موت بہتر ہے"

اسی کو دوسری لفظوں میں یوں کہا ہے کہ الموت اولیٰ من رکوب العار "مرجانا عار و ننگ سے بہتر ہے" شب عاشور کے خطبہ میں اعوان و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا۔ انّی رأیت القتل فی العز حیٰوۃ والعیش فے الذل قتلا "میں باعزت مرجانے کو زندگی سمجھتا ہوں اور ذلت کی زندگی بسر کرنے کو موت خیال کرتا ہوں"

جنگ کا قطعی فیصلہ

نویں محرم کی شام وہ تھی جب ابن زیاد کا خط عمر سعد کے پاس آیا جس نے صلح کی گفتگو کو قطعی طور پر ختم کر دیا۔ یا بعیت اور یا قتل اور یہ بات عمر سعد بھی جانتا تھا کہ بعیت کا کرنا امام حسین کے لیے ناممکن ہے اس لیے اُس کے نزدیک اب سوائے جنگ کے کوئی دوسری صورت نہ تھی چنانچہ اُس نے فوراً ہی لشکر حسین پر حملہ کر دیا۔

امام نے اس غیر متوقع حملہ کا کسی مضطربانہ انداز میں استقبال نہیں کیا بلکہ بہت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ آپ نے اپنے بھائی عباس کو بھیج کر حملہ کا سبب دریافت کیا اور یہ معلوم ہونے پر کہ ابن زیاد کا قطعی حکم جنگ کیلئے آگیا ہے آپ نے صرف ایک شب کی مہلت طلب کی۔

ناواقف لوگ اس ایک رات کی مہلت میں نفس کی کمزوری کا پہلو مضمر سمجھ سکتے ہیں مگر جس نے حسینؑ کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے وہ اس کا خیال بھی ناممکن سمجھتا ہے۔

اس ایک شب کی مہلت میں بڑی مصلحت یہ مضمر تھی کہ آپ خطرہ کے یقینی ہونے کے بعد اپنے ساتھیوں کو اپنی طبیعتوں کے تول لینے کا موقع دیدیں اور ایک بار اور یہ کہدیں کہ جو ساتھ چھوڑ کر چلا جانا چاہے وہ جائے تاکہ عین وقت پر کوئی

ایسا شخص باقی نہ رہے جو خطرہ کے ہنگامی ہونے کی وجہ سے با دل ناخواستہ آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوا ہو چنانچہ آپ نے اس شب کو اپنے مجمع کے چھانٹنے کی کوشش کی اور لوگوں کو غور و خوض کر لینے کا پورا موقع دیا اب جو لوگ حسینؑ کے ساتھ رہ گئے تھے وہ موت کو اپنے سامنے یقینی سمجھتے ہوئے دل و جان سے اُس پر آمادہ تھے اس لیے کمزوری کا اُن میں شائبہ نہ تھا دوسرے یہ کہ فریق مخالف کے افراد لشکر کو بھی آپ نے ایک شب کا موقع غور و فکر اور حق و باطل کے موازنہ کے لیے دیدیا۔ اور اسی مہلت کا نتیجہ تھا کہ عمر سعد کی فوج کا ایک بڑا افسر حر بن یزید ریاحی جو سب سے پہلے حسینؑ کو گھیر کر کربلا میں لانے کا ذمہ دار تھا اپنے ضمیر کی ہدایت سے فوج عمر سعد سے الگ ہو کر حسینؑ کی جانب آ گیا اور آپ کی نصرت میں جان نثار کی۔

یاد رکھیے کہ ایک داعی حق کی یہ بڑی کامیابی ہے اگر وہ ایک انسان کو بھی گمراہی سے نکال کر ہدایت تک پہنچا دے۔ اور یاد رکھیے کہ حسینؑ کے اصول کی یہ ایک بہت بڑی فتح صرف اُس شب کی مُہلت کا نتیجہ تھی جو آپ نے دشمن سے مانگ کر حاصل کی تھی

عاشور کی صبح

رات گئی اور دسویں محرم کی صبح نمودار ہوئی۔ عمر سعد نے میدان جنگ میں اپنے صفوف لشکر کو مرتب کیا اور حسینؑ نے اپنی مختصر جماعت کی ترتیب

دی۔ اس وقت آپ نے ضرورت سمجھی کہ فریق مخالف کو اپنی بے گناہی پر آخری بار ایک تنبیہ کر دیں اور اُس کثیر التعداد لشکر کے سامنے صورت حال کو واضح کر دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناواقفیت میں کوئی شخص اس جرم عظیم میں مبتلا ہو اور اس کی ذمہ داری آپ پر رہے۔

آپ ایک ناقہ پر سوار ہوئے اور صفوف لشکر کے سامنے جا کر ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس میں اپنے خاندانی خصوصیات۔ رسول اللہ کے ساتھ اپنا تعلق۔ اپنی اخلاقی پاکیزگی اور جرائم سے علیحدگی۔ نیز رسول اللہ کے احادیث جو آپ کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان قابل تسلیم تھے اُن کو ایک ایک کر کے پیش کیا اور پھر یہ دریافت کیا کہ اس صورت میں کس بنا پر میرا خون تمہارے لیے حلال ہو سکتا ہے۔ فوج کے لوگ جو اقتدار سلطنت کے غلام بنے ہوئے تھے اس سے کیا اثر لیتے مگر آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا اور دکھا دیا کہ ایک مصلح کسی وقت بھی اپنے فرض سے غافل نہیں ہوتا۔

آغاز جنگ

سب سے پہلے عمر سعد نے ایک تیر چلہ کمان میں جوڑا اور حسینی جماعت کی طرف لگایا یہ کہکر کہ گواہ رہنا پہلا تیر میں لگاتا ہوں اسی کے ساتھ ہزاروں کمانیں کڑکیں اور ہزاروں تیر روشن ہو گئے۔ یہ تھا پیغام جنگ حسینؑ اس کے لیے پہلے سے تیار تھے انھوں نے اپنے بہادروں کو آواز دی کہ ہاں مجاہدو کھڑے ہو جاؤ

دشمن کے سفیر ہماری طرف جنگ کا پیغام لے کر آ گئے۔

معرکۂ جہاد

کیا تصویر کھینچی جا سکتی ہے اُس موقع کی جب ایک طرف ہزاروں کا لشکر ہو اور دوسری طرف تھوڑے سے بھوکے پیاسے آدمی ہوں جن میں مشکل سے لڑنے کے قابل سو آدمی ہونگے ورنہ باقی تو کمسن بچے تھے اور ضعیف العمر بوڑھے مگر انھوں نے اس طرح جنگ کی کہ صفحہ تاریخ پر اُس کا تذکرہ نمایاں حروف میں باقی رہ گیا۔

وہ گزر گئے مگر انکی بہادری اور جنگ آزمائی کی یاد آج تک زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہیگی

اصحاب کا خاتمہ

پہلے سب سے حسینؑ کے دوست اور انصار جو آپ سے خاندانی تعلق نہ رکھتے تھے وہ ایک ایک کر کے میدان جہاد میں گئے اور شہید ہوئے۔

یہ ایک حیرت انگیز نظام تھا جو اس سخت اور اضطراب انگیز موقع پر انتہائی استقلال سے قائم کیا گیا تھا کہ جب تک اصحاب میں سے ایک بھی زندہ رہا حسینؑ کا کوئی عزیز میدان جنگ میں جانے نہ پایا۔ اور باوجودیکہ جنگ مغلوبہ بھی ہوئی اور تیروں کی بارش بھی ہوئی پھر بھی آپکے کسی عزیز کو زخم تک لگنے نہ پایا۔

ہاں جب اصحاب ختم ہوگئے تو عزیزوں کی باری آئی۔

جوان بیٹے کی شہادت

عزیزوں میں سب سے پہلے حسینؑ نے اپنے جوان بیٹے علی اکبر کو میدان جنگ

میں بھیجا۔ اُن کی ماں لیلیٰ خیمہ میں تھیں اور باپ خیمہ کے دروازے پر اور اُن کا چاند دشمنوں کی فوج کی گھٹا میں چھپا تھا۔

باپ نے دیکھا اور ماں نے سن لیا کہ علی اکبر تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے مگر صبر و سکون میں فرق نہ آیا۔ وہ اس قربانی کے لیے پہلے سے تیار تھے وہ یہ سمجھ کر مطمئن تھے کہ اُن کی اسکیم کا ایک جزو پایہ تکمیل کو پہونچ گیا۔

بھانجوں بھتیجوں اور دوسرے عزیزوں کی شہادت

عقیل کی اولاد جعفر کی اولاد اور سب سے زیادہ حسینؑ کے مہربان بھائی حضرت حسن مجتبیٰؑ کی اولاد یکے بعد دیگرے حسینؑ سے جدا ہوتی گئی ان میں اپنے بھائی کے کمسن یتیم قاسم کی جدائی حسینؑ پر بہت شاق تھی مگر مقصد کی عظمت کے سامنے یہ بھی آسان تھا حسینؑ نے اس کو بھی گوارا کر لیا۔

علمدار کی رخصت

جب حسینؑ کے پاس کوئی لڑنے والا نہ رہا تو آپ کے بھائیوں کی باری آئی اور یہ سب شہید ہو گئے تو آخر میں آپ کے لشکر کے علمدار قمر بنی ہاشم ابوالفضل العباس نے اجازت جہاد طلب کی حسینؑ کو بہت ناگوار تھا یہ کہ آپ کے لشکر کا نشان جو آپ کے جہاد کا سر بلند اعلان تھا وہ جھک جائے مگر اور کوئی قربانی باقی نہ تھی۔ مجبوراً عباس کو بھی میدان میں بھیج دیا۔

دنیا نے دیکھا کہ جب تک عباس میں جان باقی رہی علم کاندھے پر لہراتا رہا۔ یہاں تک کہ ہاتھ قلم ہو گئے۔ پھر بھی علم کو دونوں بازوؤں سے سنبھالا عباس گھوڑے سے گرے۔ حسینؑ کا علم خاک پر آگیا۔ وہ جھک گیا مگر نہیں نہیں وہ علم اتنا سربلند ہوا کہ وہی علم ہر حق پرست کے کاندھے پر ہے جب تک دنیا میں سچائی اور حق گوئی کا نشان ہے جب تک اسلام کا نام ہے اس وقت تک حسینیت کا علم دنیا میں بلند ہے اور ہمیشہ بلند رہے گا

آخری قربانی

حسینؑ کے پاس کوئی سرمایہ حقانیت کی بارگاہ میں نذر دینے کے لیے نہ تھا مگر نہیں فریق مخالف کے تشدد کا آخری تیر باقی تھا اور اس کے لیے حسینؑ کو نشانہ کی تلاش تھی انھیں دنیائے انسانیت کے سامنے وہ معصوم ہدیہ پیش کرنا تھا جس پر کسی شریعت اور قانون کی رو سے جرم و گناہ کا الزام نہ آسکتا ہو۔

ڈھونڈھ لیا حسینؑ نے یہ آخری تحفہ بھی ڈھونڈھ لیا۔ رباب کی گود میں شیر خوار بچہ پیاس کی سسکیاں لے رہا تھا ضعیف باپ نے بچہ کی حالت دیکھی اور خیمہ کے دروازہ پر اسے گود میں لیا۔ کہا جاتا ہے کہ دشمن کی فوج سے بچہ کے لیے پانی مانگا۔

یہ تھا حسینؑ کا سب سے آخری ہتھیار۔

انسانیت کے ہاتھ پاؤں میں لرزہ پڑ گیا۔ رحم و کرم کی دنیا میں اندھیرا چھا گیا جب حرملہ نے تیر چلہ کمان میں جوڑا اور بچہ کی گردن کو نشانہ بنا لیا۔ بچہ نے جان دیدی اور حسینؑ کے مقصد میں لازوال جان پڑ گئی۔

نمائشی انسانیت کی نقاب کا یہ آخری تار تھا جو معصوم بچہ کی رگ گردن نے شکستہ کر دیا۔

اب ہر دھندلی نگاہ پر بھی کھل گیا کہ اُس وقت کے انسانوں کی جتنی جماعت تھی وہ انسانیت سے کتنی دور تھی اور حسینؑ ایسا انسان کا مل اُن کے ساتھ اتحاد عمل کیسے کر سکتا تھا

تکمیل قربانی

حسینؑ کے پاس اب کچھ نہ تھا بس اپنا وجود تھا۔ یہ مرحلہ حسینؑ کیلئے پہلے ہی بہت آسان تھا مگر انھیں تو اپنی قوت برداشت کا انتہائی مظاہرہ کرنا تھا۔

اب جبکہ کسی دوسرے کا انتظار نہ تھا تو حسینؑ تھے اور میدان جہاد۔

اُتنا کہ جس قدر انسانی طاقت کے لحاظ سے حفاظت خود اختیاری کے لیے فرض تھا اتنی جنگ بھی کی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ حسینؑ نے اس فرض کو بھی ویسا انجام دیا جیسا اتنی شکستگی اور بیکسی کے عالم میں کوئی دوسرا انجام دے نہیں سکتا۔ آخر ایک انسانی جسم اور فولادی تلواروں کا سیلاب جسم زخموں سے چکنا چور ہو گیا گھوڑے کی پشت پر سنبھلا نہ گیا۔ مجاہد زمین پر آیا اور دشمنوں کا چاروں طرف سے ہجوم۔ آخر حق کا مجسمہ تلواروں کا حصہ بن گیا۔ سچائی کی گردن قلم ہوئی اور انسانیت کا سر نیزہ کی نوک پر بلند ہو گیا۔

دشمن نے وہ سب کچھ کیا جو اسکی زندگی کا آخری درجہ ہو سکتا تھا - اگر امام حسینؑ کو صرف اپنے راستے سے ہٹانا ہی مقصود ہوتا تو یہ مقصد آپ کے قتل سے پورا ہو گیا - مگر نہیں - آپ کی لاش کو پامال کیا گیا - آپ کے اہل حرم کو دربدر پھرایا گیا صاف معلوم ہوتا ہے کہ صرف آپ کی ہستی کو فنا کرنا مقصود نہ تھا بلکہ ایسے مرکز کو فنا کرنا اور عوام کی نظروں سے گرانا مقصود تھا جو اقتدار حاصل کرنیوالی جماعت کے مقاصد سے اختلاف رکھتا تھا -

یہ ہیں حسینؑ اور یہ ہے اُن کا عظیم کارنامۂ جاوید حسینؑ دنیا سے اُٹھ گئے مگر وہ زندہ ہیں اُن کا مشن زندہ ہے - اور اُن کی بدولت سچائی اور اسلام کا نام زندہ ہے -

سنہ ۱۳۶۱ھ میں

حسینؑ کی اس عظیم الشان کارنامۂ شہادت کو تیرہ سو برس ہو جائینگے اور اس موقع پر آپ کی سیزدہ صد سالہ یادگار کے قیام کا انتظام ہو رہا ہے -

حسینؑ کی ذات کسی خاص قوم اور مذہب سے محدود تعلق نہیں رکھتی - بلکہ تمام دنیائے انسانیت سے تعلق رکھتی ہے -

دیکھنے کی بات ہے کہ وہ انسان کیسا تھا جس نے اصول کی حمایت اور سچائی کی حفاظت میں اس استقلال - انتظام اور اطمینان کے ساتھ قربانیاں پیش کیں اور ذرا پائے ثبات میں لغزش نہ آئی -

اس بنا پر تمام دنیائے انسانیت کو دعوت دی جاتی ہے کہ حسینؑ کی سیزدہ صد سالہ یادگار کے قیام میں حصہ لیکر انسانی ہمدردی کا ثبوت دیں اور اس انسانی مقصد کو تقویت پہونچائیں جس کے لیے شہید کربلا نے اپنی بے نظیر قربانی پیش کی تھی - والسلام

علی نقی النقوی عفی عنہ

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	محصول	نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	محصول
۴۱	مسئلہ فدک	۵ر	ـلـر	۵۹	آثار باقیہ		
۴۲	تاجدار کعبہ	ـلـر	ـ:ـر	۶۰	صحیفہ سجادیہ کی عظمت		
۴۳	خلافت و امامت حصہ اول	۵ر	ـلـر	۶۱	خلافت و امامت حصہ پنجم	۲	
۴۴	" " دوم	۴ر	ـلـر	۶۲	خدا کی معرفت	۸	
۴۵	" " سوم	۴ر	ـلـر	۶۳	شہدائے کربلا حصہ سوم	۴ر	ر
۴۶	تحقیق اذان	۱ر	ـ:ـر	۶۴	خلافت و امامت حصہ ششم	۸ر	۱ر
۴۷	ذو الجناح	۰ر	ـ:ـر	۶۵	دی لاسٹ مسیج آف حسینؑ	۲ر	ـ:ـر
۴۸	شہدائے کربلا حصہ اول	۴ر	ـلـر	۶۶	ہمارے رسوم و قیود	۲ر	ـ:ـر
۴۹	کربلا کا مہا سمر ہندی	۲ر	ـ:ـر	۶۷	شیعوں کی تازہ زندگی	۱ر	ـ:ـر
۵۰	حسین اینڈ ہیلپین آف کربلا انگریزی	۱۰ر	ـ:ـر	۶۸	صحیفہ اعمال مترجم	۶ر	۳ر
۵۱	مشہد اعظم	ـلـر	ـ:ـر	۶۹	مذہب شیعہ اور تبلیغ	ـلـر	ـ:ـر
۵۲	لا تفسدوا فی الارض	۸ر	ـ:ـر	۷۰	اسیری اہل حرم	۱۰ر	ـ:ـر
۵۳	نہج البلاغہ کا استناد	۴ر	۱ر	۷۱	دی مشن آف حسینؑ انگریزی	۱ر	ـ:ـر
۵۴	خلافت و امامت حصہ چہارم	۳ر	۱ر	۷۲	نظام زندگی حصہ اول	۴ر	ـلـر
۵۵	شہدائے کربلا حصہ دوم	۵ر	ـلـر	۷۳	نظام زندگی حصہ دوم	۵ر	ـلـر
۵۶	ابو الائمہ کے تعلیمات	۴ر	۱ر	۷۴	حقیقت اسلام	۱۰ر	ـ:ـر
۵۷	حسینؑ کا پیغام عالم انسانیت کے نام	۱ر	ـ:ـر	۷۵	مظلوم کربلا	۲ر	ـ:ـر
۵۸	اسلامی عقائد	۲ر	ـ:ـر				

حضرات!

لکھنؤ میں ملنے والی ہر علمی، ادبی، اخلاقی، دینی کتاب مشن کے ذریعہ سے طلب فرمائیں

فہرست امامیہ مشن بک ایجنسی لکھنؤ

نمبر شمار	نام کتاب	قیمت	[illegible]	نمبر شمار	نام کتاب	قیمت
۱	کائنات قبل از اسلام	۲ر	ـ/ر	۱۵	قاتلان عثمان	۵ر
۲	قاتلان حسین کی گرفتاری	۸ر	۲/ر	۱۶	میکدۂ اسلام	۳ر
۳	حجج و بینات	عہ ر	۲/ر	۱۷	حصول اسلام کی حقیقت	۴ر
۴	ذخیرۃ الاحکام	۴ر	۱/ر	۱۸	تقیہ	۲/ر
۵	صحیفہ تجلی	۸ر	۱/ر	۱۹	میزان محبت	۳ر
۶	گل عصمت	۱۰ر	ـ/ر	۲۰	تبرے کی حقیقت	۳ر
۷	رجال بخاری حصۂ دوم	۶ر	۱/ر	۲۱	حسین اور مذہب	۱ر
۸	رسولؐ کی بیٹی	۲ر	ـ/ر	۲۲	فتح مبین	۳ر
۹	تاریخ ازدواج	۸ر	۱/ر	۲۳	الشیعہ	۳ر
۱۰	الہامی کلمات	۳ر	۱ر	۲۴	ثبوت تقیہ	۱۰
۱۱	شہید اسلام	عہ/	۵/ر	۲۵	ذاکری کی پہلی کتاب	۳ر
۱۲	ثانی زہرا	عہ ر	۲/ر	۲۶	″ حصہ دوم	۳ر
۱۳	ہمارے رسولؐ	۲ر	۱ر	۲۷	شادی خانہ آبادی	۲ر
۱۴	ہماری خاتون جنت	۲ر	۱ر	۲۸	گاؤکشی اور مسلمان	۴ر

ملنے کا پتہ } سکریٹری امامیہ مشن رجسٹرڈ نخاس لکھنؤ

پبلشنر :- سید مصطفےٰ احسن رضوی سکریٹری امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ

پرنٹر :- نثار علی رضوی

امامیہ مشن کا چھبیسواں تبلیغی رسالہ

مذہب اہلبیت

حصہ دوم

مطبوعہ سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

خرچ ڈاک ۱/ ۱۹

زین العابدین سے باپ کے فرزند تھے۔ عبادت آپکا ورثہ تھی سجدے کرتے کرتے پیشانی مبارک میں ایسا نشان پڑ گیا تھا جیسا شگافتہ ہوجانے سے پڑ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ "باقر" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ محلے اور خاندان کے تمام بچے کھیل کود میں مصروف رہتے تھے ان میں شامل ہونے کو آپ کا جی نہ چاہتا تھا۔ اور زیادہ وقت باپ دادا کی صحبت میں بیٹھ کر ان کی باتیں سنا کرتے تھے ــــ مروج المذہب (مسعودی) میں لکھا ہے کہ آپکے والدِ بزرگوار کی عمۂ محترمہ حضرت زینب (بنت علی بن ابوطالب) حضرت فاطمہ زہرا (بنتِ رسولؐ) کے بعد صنفِ نسواں میں سب سے بڑی عالمہ تھیں یہانتک کہ باب العلم (علی بن ابی طالب) نے آپکو عالمۂ غیر معلّمہ کے معزز لقب سے یاد فرمایا ہے۔ حضرت امام محمد باقر سے آپ بہت محبت فرماتی تھیں اور رضاعت سے لیکر لڑکپن کی عمر تک امام محمد باقر نے آپکی آغوشِ تربیت میں بے شمار علمی رموز اور قرآنی اسرار سیکھے۔

امام محمد باقر کے چہرے سے اس کمسنی میں بھی انتہائی متانت اور سنجیدگی ٹپکتی تھی اور بشرے سے پتہ چلتا تھا کہ یہ جوان ہو کر دنیا کے عظیم انسانوں کی صف میں شمار ہوں گے۔

فقر و فاقہ آپکی میراث تھا گھر میں اکثر عسرت کے باعث کھانا نہیں پکتا تھا مگر آپ کبھی بھوک سے بیچین نہ ہوتے تھے یہی عادت تھی جو کربلا میں اس وقت کام آئی جب کہ امام حسین اور ان کے بچوں پر فوج یزید کی جانب سے تین دن تک آب و غذا کی بندش رہی امام محمد باقر گو کہ اسوقت تین چار سال

اب آپ کی عمر پانچ سال کے قریب ہو چکی تھی آپ کے پدر بزرگوار دنیا کے تمام ہنگاموں سے کنارہ کش ہو کر گھر میں بیٹھ گئے اور تبلیغ دین اور اشاعت علوم میں بسر کرنے لگے اس زمانے میں آپ کو اپنے والد ماجد کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم رسالت سے مستفیض ہونے کا کافی موقع ملا۔ یہ زمانہ آلِ رسول کے لئے خصوصاً اور دنیائے اسلام کے لئے عموماً سخت بدامنی اور شورش کا زمانہ تھا یزید کے حکم سے مدینہ پر مسلم ابن عقبہ کا حملہ۔ مدینے کی تباہی۔ رسول اللہ کے سات سو صحابیوں کا قتلِ عام۔ اور دوسرے سال مکے پر حصین بن نمیر کی چڑھائی۔ خانہ کعبہ پر آگ کے شعلوں اور پتھروں کی بارش، غرض پورے عرب میں فتنہ و فساد کی آگ سلگ رہی تھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان تباہ و برباد ہو رہے تھے ــــ امام زین العابدین یہ دیکھ کر اپنے تمام خاندان کے ساتھ مدینے سے نکلے اور ینبوع تشریف لے گئے امام محمد باقر کی عمر اسوقت سات آٹھ سال کے قریب تھی۔ آپ نے بھی اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مدینہ سے ہجرت کی اور جبتک حالات اعتدال پر نہ آئے۔ ینبوع ہی میں مقیم رہے۔

بڑے صاحبزادے تھے۔ ابن الصباغ نے الفصول المہمہ میں لکھا ہے کہ "امام زین العابدین کے کُل پندرہ اولادیں ہوئیں۔ گیارہ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں۔ امام محمد باقر ان سب میں بڑے فرزند تھے"۔

عالمِ طفولیت

(بچپن اور لڑکپن کا زمانہ)

امام محمد باقر نے حضرت امام حسین کے سایۂ شفقت میں آنکھیں کھولیں چونکہ آپ علی بن الحسین کی پہلی اولاد تھے۔ اسلئے گھر بھر کی آنکھوں کا تارا تھے۔ علامہ طبری اور اسلامی تاریخوں کے اکثر دوسرے مصنفین لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر نے اپنی ننہیال اور ددھیال دونوں گھروں میں اُن عظیم شخصیتوں کی گود میں پرورش پائی تھی جن کا سلسلۂ علمی رسول اللہ پر منتہی ہوتا تھا۔ اِس لئے آپ نے آغوشِ مادر ہی سے علومِ رسالت سیکھے اور آخر میں علوم و معرفت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوئے۔

صبر و قناعت کی عادت آپ میں ابتداء ہی سے پائی جاتی تھی۔ دوسرے بچوں کے خلاف مزاج پائیں اُنکے پرورش کرنیوالوں سے سرزد ہوں تو رو رو کر سارا گھر سر پر اُٹھا لیتے ہیں۔ مگر آپ اُن دنوں میں بھی نہیں روئے جبکہ تین چار سال کی عمر میں آپ کو کربلا سے شام تک قید و بند کی مصیبتوں کے ہجوم میں جانا پڑا تھا۔

زہد و ریاضت کا شوق تو آپ میں بچپن ہی سے پایا جاتا تھا۔ آپ

اور اُن کے فرزند امام محمد باقرؑ کے لئے آزادانہ طور پر امت کی ہدایت کرنے میں قدم قدم پر دشواریاں پیش آرہی تھیں۔ ۱۰ رجمادی الاول ۷۳ھ (۲۷ ر نومبر ۶۹۲ء) کو عبداللہ بن زبیر حجاج بن یوسف کے ہاتھ سے مارے گئے ان کے بعد حجاز میں عبدالملک کا زمانہ آیا۔ اُس وقت امام محمد باقرؑ کی عمر سولہ سال کی تھی اور صاحب تاریخ ابوالفداء کے بیان کے مطابق آپ کا ہاشمی خون بنی اُمیہ کے مظالم پر اکثر جوش کھانے لگتا تھا مگر علم اور بُردباری کی فطرت اس جوش پر غالب آجاتی تھی اور آپ پھر صبر و سکون سے اُمت کی ہدایت اور علمی خدمات میں مصروف ہو جاتے تھے۔

عبدالملک اور اُس کے سپہ سالار حجاج بن یوسف کے متعلق ابن خلدون اور تاریخ ابوالفداء کا بیان ہے کہ اِن کے دور میں ایک لاکھ بیس ہزار بیگناہ انسان قتل کئے گئے اور یہ سب وہ لوگ تھے جو علی مرتضیٰؑ سے محبت کا دعویٰ رکھتے تھے ایسے پُر آشوب زمانہ میں آلِ رسولؐ کے لئے سوائے گوشہ نشینی کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ چنانچہ علی ابن الحسینؑ اور اُن کے ساتھ امام محمد باقرؑ نے یہ چند سال بھی گوشہ نشینی میں بسر کئے مگر تبلیغ دین اور ترویج علوم کا فرض اس حال میں بھی ادا کرتے رہے۔

بعض کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ امام محمد باقرؑ کو بلوا کر عبدالملک نے رومی سکوں کے بجائے اسلامی سکہ رائج کرنے کے متعلق آپ سے مشورہ کیا۔ عبدالملک کے بعد اُس کا بیٹا ولید تختِ خلافت پر بیٹھا۔ تاریخ الخلفاء سیوطی کا بیان ہے کہ ولید پرلے سرے کا ظالم، جابر اور خونریز حکمران تھا۔

گے تھے مگر اس حال میں بھی آپ کے کسی عمل سے اضطرار و اضطراب
نہیں پایا گیا۔ آپ کا چہرہ مہرہ رسالت مآب سے مشابہ تھا۔
اور بچپن کی عادتیں بھی آنحضرت سے بہت ملتی تھیں صواعق محرقہ
میں ہے کہ جو لوگ رسول کریم کے بچپن کے حال سے واقف تھے وہ
امام محمد باقر کا بچپن دیکھ کر کہہ اٹھتے تھے کہ علی بن الحسین
کے اس فرزند کا نام بھی محمد ہے۔ اور صورت و سیرت
بھی اپنے نانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی ہے۔

بچپن سے علی بن الحسین کی شہادت تک
کیسے ماحول میں آپ کی زندگی بسر ہوئی

امام محمد باقر کی عمر چار سال کی تھی کہ کربلا کا دردناک واقعہ
پیش آیا۔ شہادت امام حسین کے بعد آپ بھی آلِ رسولؐ کے

محمد حنفیہ (ابن ابی طالب) کو عارم کے قید خانے میں بند کر دیا اور اُن کے قتل کا ارادہ کیا ایک دفعہ خطبے میں علی بن ابی طالب کو بُرا بھلا کہنے لگے محمد حنفیہ اس وقت زندہ تھے انھوں نے جب یہ رنگ دیکھا تو مدینے سے ایلہ میں چلے گئے اور وہیں وفات پائی البتہ امام زین العابدین اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ میں رہے۔ مگر چاروں طرف فتنہ و فساد کا ہجوم دیکھکر اپنے گھر کے دروازے بند کر لئے اور بجز طالبانِ علوم کے کسی کے لئے اپنے گھر کا دروازہ نہ کھولتے تھے امام محمد باقر کو اس زمانہ میں علمی مشاغل کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا اور اِسی مشغلے میں آپ کا یہ پورا دور بسر ہوا۔

اِسی زمانہ میں ۱۳ ربیع الاوّل ۶۶ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۶۸۵ء کو مختار نے بمقامِ کوفہ قاتلانِ حسینؑ پر چڑھائی کی اور بہت جلد اُن پر فتح پائی۔ شمر، ابن سعد، خولی اور دیگر قاتلانِ حسینؑ کے سر کاٹ کر امام زین العابدینؑ کی خدمت میں بھیجے چند ماہ بعد عبید اللہ ابن زیاد بھی ایک لڑائی میں ابراہیم بن مالکِ اشتر کے ہاتھوں مارا گیا اور چھ سال کے اندر وہ تمام لوگ جو معرکۂ کربلا میں حسینؑ اور انصارِ حسینؑ سے لڑے تھے قتل ہو گئے ۱۴ رمضان ۶۷ھ (۳ اپریل ۶۸۷ء) کو مختار بھی معصب ابن زبیر کے ہاتھوں مارے گئے ـــ یہ مدّت بھی امام محمد باقر نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ خانہ نشینی اور علمی دلچسپیوں میں گزاری۔

یہ تمام انقلابات ہو گئے مگر عبد اللہ ابن زبیر کو آلِ رسول سے جو کد تھی وہ جوں کی توں برقرار رہی جس کے باعث حضرت علی بن الحسین

ولید نے کچھ کم دس سال حکومت کی اور اسی نے امام زین العابدینؑ کو ۹۵ھ میں زہر دلوا کر شہید کر دیا۔ اور اس طرح آلِ رسول کی قیادت امام محمد باقرؑ کی طرف منتقل ہوئی اُس وقت آپ کی عمر ۳۷ سال کی تھی۔

شہادت علی بن الحسین کے بعد

سیاسی ماحول کے تحت امام محمد باقرؑ کی مشکلات اور ذمّہ داریاں

امام محمد باقرؑ اگرچہ اپنے پدر بزرگوار کی حیات میں بھی دین و ملت اور علوم کی گراں قدر خدمتیں انجام دیتے تھے۔ مگر اُن کی شہادت کے بعد اصلاح اُمت اور تبلیغ و ہدایت کی تمام تر ذمّہ داریاں براہ راست آپ پر عائد ہو گئیں ــ یہ ولید بن عبد الملک کی خلافت کا عہد تھا جو دو برس کے بعد

تعلیم اور تبلیغ کا بہر حال سرچشمہ بنے رہے۔ بیشمار لوگ آپ کی خدمت میں حصول علم کی غرض سے آتے تھے اور آلِ محمد کے فیوضِ علمی سے مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔

امام محمد باقر کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت سے حکومت کو ہر وقت خطرہ لاحق رہتا تھا اور وہ آپکو ستانے اور تنگ کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی تھی انھیں اسباب کی بنا پر آپ اور زیادہ احتیاط برتتے تھے اور کوئی موقع ایسا نہ آنے دیتے تھے کہ انتقام طلب حکام کا مقصد پورا ہو سکے آپ کی زندگی کا نصب العین اُمت اسلام کی ہدایت و اصلاح تھا۔ آپ اس نصب العین کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے حکومت کی خواہش تھی کہ آپکی ان کوششوں کو ناکام بنا دیا جائے۔ چنانچہ وہ برابر موقع کی تاک میں رہتی تھی۔ اور طرح طرح سے یہ کوششیں کی جاتی تھیں کہ تبلیغ و ہدایت کا یہ سلسلہ بند کر دیا جائے مگر آپ کا احساسِ فرض ضرورتِ وقت کے تحت اصلاح اُمت کی لگن کو دم بدم تیز کر رہا تھا۔ کیونکہ اس عہد کے مسلمانوں کی بداخلاقی جس حد پر پہنچ چکی تھی جس طرح روز بروز ان کا

مراد برقی پریس خیرپور میرس